لکھنؤ دارالخلافت ہوا تو ناسخ بھی لکھنؤ آ گئے۔ مصحفی کو اپنا کلام دکھاتے تھے لیکن بعد میں مشورہ سخن لینا بند کر دیا۔ لکھنؤ میں ہی ۱۲۵۴ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کے شاگرد رشید میر علی اوسط رشک نے تاریخ کہی۔

اٹھا مرگِ ناسخ کا غل چار سو سے ۔۔۔ گیا لطف تحقیق کا گفتگو سے

کہا رشک نے مصرعِ سالِ رحلت ۔۔۔ "دِلا شعر گوئی اٹھی لکھنؤ سے" ۱۲۵۴ھ

فارسی قطعات وفات سے صرف نظر کرتے ہوئے، مقیم الدولہ راجہ نواب علی خاں سحر والی محمود آباد (م ۱۲۷۴ھ) کا کہا ہوا اردو زبان کا قطعہ بھی لکھا جاتا ہے، جو شخصی مرثیہ ہے:

ژولیدہ مو ہیں سنبل و سوسن سیاہ پوش ۔۔۔ مانند لالہ باغ میں ہیں داغ داغ گل

ہر نخل نخلِ ماتم و نالاں ہیں آبشار ۔۔۔ مرغِ چمن ہیں نوحہ گر و بید ماغ گل

شبنم سے اشک بار ہیں اشجارِ بوستاں ۔۔۔ دل تنگ مثل غنچہ ہیں سا بین باغ گل

ازبس وفات حضرتِ ناسخ ہے جانگزا ۔۔۔ رکھتا نہیں ہے رنج والم سے فراغ گل

بھولا ہے عندلیب کو اب نغمۂ طرب ۔۔۔ بلبل کے زمزمے ہے اب بید ماغ گل

مصرع یہ اب ہے مرغِ چمن کی زبان پر
"اقلیم شاعری کا ہوا ہے چراغ گل" ۱۲۵۴

آتش :- خواجہ حیدر علی آتش ۱۱۹۲ھ/۱۷۷۸ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ ایام جوانی میں لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ دبستان لکھنؤ کے مشہور و معروف اساتذہ میں تھے۔ لکھنؤ ہی میں بروز چہار شنبہ (بدھ) ۲۵ محرم ۱۲۶۳ھ/۱۳ جنوری ۱۸۴۷ء کو بوقتِ صبح انتقال ہوا جو اچانک حادثہ تھا۔ مصحفی کے مایۂ ناز شاگرد تھے۔ سید ساداتحسین

---

۲۷ بیاضِ سحر (انیسِ بے نظیر) ص ص ۸۵، ۸۴ در مطبع اودھ پریس لکھنؤ ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء

خاں شرف عرف آغا مجو نے تاریخی مرثیہ کہا۔ جس سے سالِ وفات کے علاوہ آتش کی سیرت و شخصیت، افتادِ طبع، مذہبی عقائد اور مدفن وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوتی ہیں :-

خواجۂ صبر و رضا و بندۂ خاصِ خدا — تارکِ دنیا و لذت، قانع و گوشہ نشیں
بے ریا، بے نفس، بے پروا و بے حرص و ہوس — تازہ بردارِ توکل، باخدا عزلت گزیں
پاک دامن، پاک طینت، پاکباز و پاک صاف — محوِ محبوبِ خدا، جو یائے ربُ العلمیں
عارف و مجذوب، سالک، چلہ کش، روشن ضمیر — خاکسار و بوترابی، عاشقِ حبل المتیں
کربلا میں روح رہتی ہے اہو گئے ہیں گھر میں دفن — زندہ دل تھے، زندۂ جاوید ہیں زیرِ زمیں
شاعرِ بے مثل و یکتا تھے وہ فردوسیِ عصر — چل بسے افسوس دنیا سے سوئے خلدِ بریں
آتش انکا تھا تخلص، نام تھا حیدر علی — تھے خدا رس، تھا انہیں دنیا سے کچھ مطلب نہیں
اسے شرف تھے جلوہ فرما بوریائے فقر پر — کرتے تھے ہر وقت تعظیم و ادب مسند نشیں

سالِ رحلت سے دو عالم میں ہے شہرت یافتہ
" حیدری مداح و فردوسی فردوس بریں " [۴۸] ۱۲۶۳ھ

جاری ہے

[۴۸] ملاحظہ ہو " دبستانِ آتش " از ڈاکٹر شاہ عبدالسلام ص ص ۷۴۔ ۱۲۶ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ جامعہ نگر نئی دہلی بار اول ۱۹۷۷ء۔ لیکن مادہ بُری طرح مسخ ہے یعنی: حیدری مداح و فردوشِ فردوس بریں "۔ کہہ نہیں سکتے کہ " فردوسی " کے بجائے فردوش (؟) کیوں اور کیسے ہوا ؟ بہر حال ہم نے درست کرتے ہوئے مادہ لکھا ہے۔

ماحول پر قابو کس طرح حاصل کیا جائے؟

قسط ۲

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔اے پی ایچ ڈی (لندن) بیرسٹرایٹ لا

یاد رکھو کہ خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا انفس جیسا ہوگا ویسی ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے ویسا ہی ہمارا "آفاق" ہوگا۔ آفاق تابع انفس ہے۔ آفاق میں تغیر انفس کے تغیر کا تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن حکیم نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے شک وشبہ سے نکالنے کے لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد ع ۲)

واقعی حق تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الانفال ع ۷)

یہ بات اسی سبب سے ہے کہ حق تعالیٰ کی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے۔

خارج کا تغیر، ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر، انفس کا بدلنا ضروری ہے۔ اگر باطن میں کجی ہو، انفس خام و ناشائستہ ہو، تو خارج میں کجی، ناہمواری، عدم توافق یا دوسرے الفاظ میں درد وغم، قلت و اقلال، ضیق و پریشانی کا ہونا ضروری ہے۔

باطن یا انفس سے مراد ظاہر ہے کہ نفس اور اس کے صفات ہیں اور ان سے پیدا ہونے

ملے افعال و اعمال ہیں۔ اب ماحول کی ناسازگاری، ضیق و پریشانی، رنج و غم، غم والم ست نتیجہ ہیں باطنی زندگی کا، یعنی رذائل اخلاق کا، اتباع ہوی کا، جرم و معصیت کا، بد کرداری و گناہ کا قرآن مبین نے اسکی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (شوریٰ ع ۵)

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے۔

اسی اصول کو کسی اور جگہ اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا؟ قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (پ ۴ ع ۸)

اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی کہ تم اس سے دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آئی؟ آپ فرما دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تمہاری ہی طرف سے پہنچی ....

صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا:

انما هی اعمالکم ترد علیکم

یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تم پر لوٹائے جاتے ہیں۔

دوسری جگہ یوں فرمایا:

إنما هی أعمالكم أحصيها عليكم فمن وجد خيراً فليحمد الله ومن وجد غيرها فلا يلومن الا نفسه۔

یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جن کو میں محفوظ رکھتا ہوں (تمہارے نامہ اعمال میں لکھوا جاتا ہوں کہ ان کا پورا پورا بدلہ تم کو ملے) اگر تم میں سے کوئی خیر پائے تو اللہ کا شکر کرے اور اگر اس کے خلاف پائے تو سوائے اپنے نفس کے کسی پر ملامت نہ کرے

اس اصول کی وضاحت میں صوفیہ کرام نے جو مثال استعمال کی ہے وہ نہایت صحیح اور